محترم مرزا محمد حسین چغتائی رحمۃ اللہ علیہ
سابق امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
روایت۔ ماسٹر عبداللہ مسعود مرحوم

۱۹۴۳ء کا قحط بنگال اور دہلی احرار کانفرنس میں شاہ جی کا خطاب

ماسٹر مولوی عبداللہ مسعود درمیانی قد وقامت کے بھرے بھرے جسم، کتابی چہرے، گوری چٹی رنگت والے جن کے چہرے پر سرخ مہندی والی ڈاڑھی خوب بہار دکھاتی تھی۔ بہاول پور کے ہنس مکھ اور خلیق، سکول ماسٹر، جالندھر کے مہاجرین میں شمار ہوتے تھے۔ مجلس احرار اسلام سے ان کا قدیم تعلق تھا جو شاید خاندانی بھی ہو۔ جالندھر میں وہ طلبہ کی رضا کار تنظیم "افضل کور" کے سالار رہے۔ میرا ان سے تعارف جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ کے ذریعہ سے ہوا تھا ماسٹر صاحب بھی انہی دنوں خیر المدارس جالندھر میں زیر تعلیم تھے۔ جن دنوں سید ابو معاویہ ابوذر بخاری اور سید عطاء المحسن بخاری بھی وہیں زیر تعلیم تھے۔ شاہ جی کی ذات گرامی سے انہیں والہانہ محبت تھی۔

ذیل میں قحط بنگال کے سلسلہ میں شاہ جی اور احرار کی خدمات کے ضمن میں ان کی یادداشت ہدیہ قارئین کی جارہی ہے۔ یہ داستان ماسٹر صاحب نے مجھے ستمبر ۱۹۷۱ء کو ان دنوں قلم بند کرائی تھی جب وہ سمہ سٹہ ہائی سکول میں بطور ٹیچر تعینات تھے اور ماڈل ٹاؤن بہاول پور میں رہائش رکھتے اور جلد سازی کی دکان بھی کرتے تھے۔ بعد میں وہ سیٹلائٹ ٹاؤن منتقل ہوگئے۔ اور ستمبر ۱۹۹۱ء میں وفات پاگئے۔

اواخر ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ امینیہ دہلی میں زیر تعلیم تھا۔ جب کہ مجلس احرار اسلام سے میرا تعلق بچپن سے چلا آتا تھا۔ اور میں اپنے وطن جالندھر میں "افضل حق کور" کا سالار تھا۔ انہیں دنوں کی بات ہے کہ دہلی میں احرار پولیٹیکل کانفرنس کے اجتماعات ہوئے۔ گاندھی گراؤنڈ (متصل چاندنی چوک) میں عظیم الشان پنڈال بنایا گیا تھا۔ اس کانفرنس میں خطاب کے لئے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔

اس کانفرنس کے انعقاد سے قبل دہلی کے لوگوں کا عام خیال یہ تھا کہ جہاں سحبان الہند مولانا احمد سعید جیسے مقرر موجود ہوں وہاں ایک پنجابی سید عطاء اللہ شاہ کی بات کون سنے گا۔ ان دنوں بنگال میں قحط پڑا ہوا تھا۔ اور کانفرنس کا سب سے اہم مقصد بنگالی بھائیوں کی امداد پیش نظر تھا۔ اس سے قبل شاہ جی بذات خود بنگال کا دورہ کر کے تشریف لائے تھے۔ اور انہوں نے آنکھوں دیکھا حال بیان کر کے عوام کو امداد کے لئے آمادہ کرنا تھا۔

گرمی کا موسم تھا۔ کانفرنس کے اجلاس رات کے وقت ہوا کرتے تھے۔ داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا۔ ٹکٹ کی عام قیمت ایک روپیہ اور خصوصی ٹکٹ سو روپیہ تک کی مالیت کے تھے۔

اول شب کا جلسہ

اول روز جب شاہ جی کی تقریر کا اعلان ہوا تو تقریر سے قبل ہی پنڈال بھر گیا جس کے نتیجے میں ٹکٹوں کا مطالبہ شد و مد سے جاری تھا۔ جب کہ ایک لاکھ روپیہ سے متجاوز رقم کے ٹکٹ فروخت کرنے کے بعد رات کے گیارہ بجے کے عمل میں شاہ جی سٹیج پر تشریف لائے۔ اس وقت تک بھی یہ چہ مہ گوئیاں ہو رہی تھیں کہ پنجاب کے لوگ کیا تقریریں کر سکیں گے۔ لیکن جونہی شاہ جی نے اپنے لحن داؤدی میں خطبہ مسنونہ ادا کیا۔ تو باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے نعرے بلند کر کے داخلہ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ منتظم رضا کاروں نے شاہ جی کو صورت حال سے مطلع کیا۔ جس پر شاہ جی نے سٹیج ہی سے حکم دیا کہ جلسہ گاہ کی قناتیں ہٹا دی جائیں اور عام داخلہ کی اجازت دے دی جائے۔

شاہ جی کی تقریر کا مرکزی نقطہ قحط بنگال تھا۔ آپ وہاں کے جستہ جستہ چشم دید حالات بیان کر رہے تھے۔ اس ضمن میں ایک دردناک واقعہ اس طرح بیان کیا کہ۔

"میں ایک دیہات میں جا رہا تھا میرے بیس ہمراہی رضا کاروں نے چاول کی گٹھڑیاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ ہم کلکتہ سے کوئی دس میل دور فاصلہ پر تھے۔ جہاں حالات بہت نازک تھے۔ ہم جب گاؤں کے قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ایک چیل فضا میں تڑپتی ہوئی قلابازیاں کھاتی زمین پر آ گری۔ جس سے اچھی خاصی آواز پیدا ہوئی۔ بھوک سے بے تاب ایک کتا اسے کھانے کو لپکا اور دوسری طرف ایک مریل انسان جس کا فاقوں سے برا حال ہو رہا تھا۔ آگے بڑھا ایک پَر چیل کا کتے کے منہ میں اور ایک پَر اس انسان کے ہاتھ میں دونوں اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ مگر اس کشمکش میں دونوں جان ہار گئے اور کھانا کسی کو نصیب نہ ہوا"

جب شاہ جی کی زبانی لوگوں نے یہ دلدوز واقعہ سنا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ "یہ کربناک منظر دیکھ کر مجھ میں دیہات میں داخل ہونے کی سکت نہ رہی۔ وہیں بیٹھ گیا اور رضا کاروں کو آگے بھیجا وہ سامان تقسیم کر کے واپس آ گئے۔ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا ہے اگر تم دیکھ لیتے تو تمہارا جگر پھٹ جاتا۔" آپ نے لوگوں سے اپیل کی کہ "وہاں کے مسلمانوں کی یہ حالت ہے ورنہ انسان تو ہیں ہی۔ وہ سبھی امداد کے مستحق ہیں" لوگوں کی طرف سے اس اپیل پر نوٹوں کی اس قدر بارش شروع ہو گئی کہ جس کا سمیٹنا بھی مشکل ہو گیا۔

جلسہ سے پہلے بعض مقامی احباب کا کہنا تھا کہ یہاں پر اجلاس کامیاب نہ ہو سکے گا۔ شاہ جی نے فرمایا کہ "ہمیں خلوص سے کام کرنا ہے۔ کامیابی، ناکامی، کسی اور طاقت کے ہاتھ میں ہے۔" چنانچہ رات بھر تقریر جاری رہی ادھر صبح کی اذان بلند ہوئی ادھر شاہ جی نے "باقی کل" کہہ کر دعا فرمائی اور نماز صبح وہیں پنڈال میں ادا کی گئی۔

دوسری شب کی نشست

دوسرے دن بھی کانفرنس کے انتظامات جاری رہے۔ اور شب کو اس قدر اژدہام تھا کہ چار ہزار رضا

کاروں کی نفری بھی انتظام پر بہ مشکل پوری اتری۔ داخلہ دوسری شب کو بھی بذریعہ ٹکٹ رہا۔ جب کہ اجلاس کے آغاز سے قبل ہی ٹکٹ پیشگی فروخت ہو چکے تھے۔ مزید ٹکٹوں کی چھپائی کا فوری انتظام ناممکن تھا۔ ہجوم بے پناہ تھا۔ لوگ بازاروں، دوکانوں، اور مکانوں پر کھڑے تقریر سنتے رہے۔ شاہ جی نے چندہ کی فراہمی کی کیفیت دیکھ کر یہ شعر برسر اجلاس پڑھا۔

دینا ہے تو اتنا دے کہ کروں تنگیٔ داماں کا گلہ
ورنہ وہ بھی چھین لے جو کاسۂ سائل میں ہے

جس پر عوام الناس نے بڑھ چڑھ کر عطیات دیئے اور نوٹوں کے ڈھیر لگا دیئے جب کہ اس شب بھی تقریر صبح تک جاری رہی۔ دوسرے روز شاہ جی نے اپنی موجودگی میں رضا کاروں کی ٹولیاں مرتب کرائیں جو مسلسل کئی روز تک زر اعانت اور دیگر سامان لے کر بنگال کو روانہ ہوتی رہیں اور اس طرح سے مجلس احرار اسلام کے رضا کاروں کو اپنے قحط زدہ ہم وطنوں کو سہارا دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

خانوادۂ شاہ ولی اللہ

اسی دوسرے روز ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ دوسرے روز جب شاہ جی کا قیام خیمے میں تھا۔ دس بجے دن کے قریب میں بیٹھا شاہ جی کے پاؤں دبا رہا تھا اور شاہ جی لیٹ رہے تھے کہ ایک رضا کار نے آکر کسی ملاقاتی کے بارے میں بتایا۔ کہ اجازت چاہتا ہے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ میں ایسا آدمی نہیں کہ میرے ملنے والوں کو اجازت کی ضرورت ہو جو کوئی ملنا چاہے آجائے۔ جس پر رضا کار چلا گیا اور پھر تھوڑے وقفہ میں ایک خوب رو نوجوان بے تکلفانہ انداز میں داخل ہوا۔ اور سلام کر کے شاہ جی کے تکیئے کے ساتھ لگ کر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ شاہ جی اس وقت ہاتھ میں ایک کبوتر بھی لئے ہوئے تھے۔ جو شاید کسی نے ہدیۃً پیش کیا تھا۔ کبوتر بہت خوبصورت تھا۔ شاہ جی کبھی اس کو دباتے کبھی کوئی پر کھینچتے ان کی خواہش تھی کہ وہ بولے۔ لیکن وہ چپ سادھے ہوئے تھا۔ شاہ جی نے اسے چھوڑا اور آنے والے نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اتنے میں کسی نے تعارف کرایا کہ یہ خاندان ولی اللّٰہی کے چشم و چراغ ہیں۔ یہ سن کر شاہ جی بے تابانہ اٹھے اور اسے سینے سے لگا لیا۔ پیشانی کو کئی بار چوما۔ ہاتھوں کے بوسے لئے۔ فوری طور پر چائے اور فروٹ وغیرہ کا انتظام کیا۔ معلوم یوں ہوتا تھا جیسے شاہ جی ماحول سے بالکل بیگانہ ہو گئے۔ گرد و پیش سے بے نیاز ہو گئے۔ رضا کاروں کو بلکہ جیسے خود اپنے آپ کو بھی بھول گئے ہوں۔ والہ و شیدا ہو کر بڑی دیر تک ان سے خاندانی حالات دریافت کرتے رہے۔ وہ نوجوان بہت دیر کے بعد جب جانے لگے تو شاہ جی سے دوسرے دن اپنے گھر آنے کا وعدہ لے کر گئے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ میرے لئے وہاں جانا باعث برکت ہے میں انشاء اللہ کل چلوں گا۔

تیسرا اجلاس

تیسرے روز پھر شاہ جی کی تقریر کا انتظام ہوا۔ لیکن شاہ جی نے ٹکٹ کے ذریعہ داخلہ کی ممانعت فرما

دی۔ اور کہا کہ جب لوگ از خود ہی تعاون کر رہے ہیں تو ٹکٹ کا تکلف کس لئے؟ چنانچہ حسب دستور رات کو جلسہ ہوا اور شرکاء جلسہ کا اژدہام دونوں راتوں سے بڑھ کر رہا۔ اس اجلاس میں شاہ جی نے اپنی مجلسی پالیسی کے ماتحت جنگ عظیم دوم میں فوجی بھرتی بائیکاٹ کا تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ صوبہ بنگال نے اس جنگ عظیم کے سلسلہ میں انگریز کو بھرتی نہیں دی۔ جس کا خمیازہ اس قحط کی صورت میں بھگتنا پڑا ہے۔ جس سے آٹھ لاکھ انسان سسک سسک کر مر گئے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بندرگار پر غلہ اور چاول افراط میں موجود تھا۔ جو سمندر میں جان بوجھ کر پھینک دیا گیا۔ لیکن بھوک سے مرتے انسانوں کو دینا گوارا نہ کیا گیا۔ اس طرح سے ان یورپین فرنگی، انسان نما بھیڑیوں نے حریت پسند اور غیرت مند بنگالیوں سے انتقام لیا۔

اس آخری اجلاس میں شاہ جی نے فرمایا کہ اب انگریز زیادہ دیر تک ہمارے ملک پر حکمران نہیں رہ سکے گا۔ اور ان شاء اللہ اس جنگ کا اختتام ہمارے ملک کی آزادی کا پیش خیمہ ہوگا۔

اس سے اگلے روز وعدہ کے مطابق شاہ جی نے اقامت گاہ ولی اللّٰی میں تشریف لے جانا تھا۔ لیکن رضا کاروں سے گفتگو اور مجلس کی وجہ سے معمول کے مطابق بہت دیر ہو گئی۔ چنانچہ خاندان کی باعظمت خواتین اس نوجوان کی معیت میں از خود شاہ جی کے کیمپ میں تشریف لے آئیں۔ شاہ جی کی عجیب حالت تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے فرطِ عقیدت سے بچھے چلے جاتے ہوں۔ بہرحال شاہ جی کے پاس وہ کافی دیر رہیں اور شاہ جی ان سے اسلاف کے حالات سنتے رہے۔ انہوں نے بیعت کی خواہش کا اظہار کیا تو شاہ جی نے رومال ان کے ہاتھ میں دیکر اس کا کنارا پکڑ کر ان باعصمت خواتین کو بیعت فرمایا۔ بعد ازاں اپنا وعدہ پورا کرنے کی غرض سے شاہ جی ان کے ساتھ ہی ان کے گھر تشریف لے گئے اور کچھ وقت وہاں رہے۔ پھر ولی اللّٰہی قبرستان میں بھی حاضری دی اور کافی دیر تک وہاں قیام فرما کر مراقبہ بھی فرمایا۔

جب آزادی کا قافلہ نئے حوصلوں اور تازہ ولولوں کے ساتھ تنگ و تاریک اور ناہموار راستوں پر نمودار ہو رہا تھا اور جب انگریز کی سلطنت کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا تب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا دل و دماغ، روحِ آزادی کا امین تھا، جو لوگ آزادی کے قافلوں کے مقتدا اور پیشوا ہوتے ہیں ان کے متعلق صرف یہ لکھا جا سکتا ہے کہ جس رات میں انہوں نے اپنے سوئے ہوئے قافلے کو آوازیں دی تھیں وہ کتنی تاریک اور بھیانک تھی اور کیسی پامردی اور حوصلہ مندی کے ساتھ انہوں نے وقت کی آندھیوں اور طوفانوں کے سامنے عزم و یقین کی مشعلوں کو روشن کئے رکھا۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ جب کہیں آزادی کے درس کی تشریح کی جائیگی تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا وہاں ذکر ضرور آئے گا۔

نسیم حجازی

میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے جید عالم دین کے دست شفقت سے سرفراز ہوا۔ ساغر صدیقیؒ

میں ان کی سادگی اور خطابت کا قلب و جگر سے معترف ہوں۔ میاں شفیع (م۔ش)